بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان میں دستورِ مملکت کی تدوین جس سست رفتاری کے ساتھ ہو رہی ہے، اور آج تک اِس کام میں جس حیرت انگیز تساہل سے کام لیا جا رہا ہے، اس نے بالآخر مملکت کے عوام اور خواص سب کو بے چین کر دیا ہے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں یہ نئی مملکت قائم ہوئی۔ ضرورت تھی کہ اس کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں اُن مقاصد کا اعلان کر دیا جاتا جن کے لیے مسلمانوں نے سابق مملکتِ ہند کا ایک حصہ کٹوا کر الگ کرایا تھا اور بے شمار قربانیاں دے کر ایک مستقل مملکت قائم کرائی تھی۔ مگر اعلانِ مقاصد کو مسلسل تعویق میں ڈالا گیا، حتیٰ کہ جب ملک کے گوشے گوشے سے تقاضوں کی بھرمار ہو گئی تب قیامِ مملکت کے پورے ۱۹ مہینے بعد ہماری مجلسِ دستور ساز نے یہ بتایا کہ وہ کن مقاصد اور اصولوں کو سامنے رکھ کر ملک کا دستور بنائے گی۔ پھر ایک مدتِ دراز اس انتظار میں گزر گئی کہ قرار دادِ مقاصد کے تجویز کردہ خطوط پر دستور کا ڈھانچہ کب بنتا ہے۔ آخر کار مزید ۱۹ مہینے گزار دینے کے بعد چند نامکمل دستوری سفارشات ہمارے سامنے آئیں جنہیں دیکھ کر سارا ملک چیخ اُٹھا، کیونکہ اُن میں اُن مقاصد اور اصولوں کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا جن کی خوشنما جھلک قرار دادِ مقاصد میں دکھائی گئی تھی۔ اس کے بعد غورِ مکرر کے وعدے پر پھر تعویق کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا جسے آج پورے ۲۰ مہینے ہو چکے ہیں اور وہ کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا۔

سارا ملک اس پر حیران ہے کہ دورِ آزادی میں پانچ برس تک دورِ غلامی کا دستور، اور دورِ اسلام میں دورِ کفر کا دستور برقرار رہنے کے آخر کیا معنی ہیں! ــــــ مگر اس پر صرف ایک گروہ مطمئن ہے، اور وہ وہی گروہ ہے جس کے سپرد بیک وقت دو کام کیے گئے تھے: اول یہ کہ ملک کے دورِ آزادی اور دورِ اسلام کا نیا دستور بنائے۔ دوم یہ کہ جب تک وہ نئے دستور کی تدوین سے فارغ نہ ہو اُس وقت تک دورِ غلامی اور دورِ کفر کے دستور پر ملک کی حکومت چلاتا رہے۔

کیا یہ تعویق بے سبب ہے؟ —— اگر یہ بے سبب ہے تو عالمِ اسباب میں یہ پہلا خرقِ عادت ہے جو بلا سبب رونما ہوا ہے۔ ورنہ یہاں تو کوئی پتہ تک بے سبب جنبش نہیں کر سکتا۔

کیا یہ تعویق نااہلی کے سبب سے ہے؟ —— اگر یہ بات ہے تو دیانت اور شرافت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ جن کے سپرد تدوینِ دستور کا کام کیا گیا تھا، خود استعفےٰ دے دیتے اور قوم کو موقع دیتے کہ وہ دوسرے جن لوگوں کو مناسب سمجھے اپنے ملک کا دستور بنانے کی خدمت تفویض کر دے۔

کیا یہ تعویق اس لیے ہے کہ اسلام کے دستوری اصولوں کو مشخص کرنا اور پھر ان پر دورِ جدید کی ایک ترقی پذیر مملکت کا دستور بنانا مشکل کام ہے؟ —— عذر یہی پیش کیا جاتا ہے۔ مگر جہاں تک اسلام کے دستوری اصولوں کی تشخیص کا تعلق ہے، یہ کام جنوری ۱۹۵۱ء میں تمام اسلامی گروہوں کے معتمد علیہ علماء کی ایک مجلس کراچی میں مجتمع ہو کر انجام دے چکی ہے۔ اور جہاں تک دستوری تفصیلات کا تعلق ہے، دستور ساز اسمبلی کے اپنے قائم کیے ہوئے ادارۂ تعلیماتِ اسلامیہ نے اپنی رپورٹوں میں وضاحت کے ساتھ یہ بتا دیا ہے کہ کونسی دستوری تفصیلات اسلام کے اصولوں سے مطابقت رکھتی ہیں اور کونسی نہیں رکھتیں۔ اس کے بعد اگر کچھ تفصیلات ایسی رہ جاتی ہیں جن کی خانہ پُری کرنے کی ضرورت ہے، تو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے مباحات کے دائرے میں آتی ہیں جن کے لیے دنیا کے موجودہ دستوری طریقوں میں سے مناسب طریقے چھانٹ کر لے لینا کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے جو چند مہینوں میں انجام نہ دیا جا سکتا ہو۔ پس درحقیقت اس عذر کی حیثیت ایک عذرِ لنگ، ایک فریب سے زیادہ کچھ نہیں۔

پھر اس تعویق کا اصل سبب ہے کیا؟ —— علمِ غیب کا دعویٰ تو ہمیں نہیں ہے۔ مگر خدا کو دیکھا نہیں، عقل سے پہچانا ہے۔ عقل یہ کہتی ہے کہ اس کا اصل سبب وہ دو متضاد کام ہیں جو انگریز نے چلتے وقت ہماری دستور ساز اسمبلی کے سپرد کیے ہیں، یعنی یہ کہ ایک طرف وہی نیا دستور بھی بنائے، اور دوسری طرف وہی نیا دستور بننے تک دورِ غلامی اور دورِ کفر کے دستور پر مملکت کا کام بھی چلاتی رہے۔ اگرچہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی بھی اسی آزمائش میں ڈالی گئی تھی۔ مگر وہ کسی نہ کسی طرح اس سے بخیریت

گزر گئی، مگر ہمارے ہاں کے دستور سازوں نے اب تک یہی ثابت کیا ہے کہ ان کے اخلاق اس سخت آزمائش کا بوجھ نہیں سہار سکے۔

اس آزمائش کی مثال ایسی ہے جیسے ایک غاصب ایک خاندان کی جائداد اُگلنے پر جب مجبور ہو گیا تو چلتے وقت اس نے وہ جائداد اصل حقداروں کے حوالے کرنے کے بجائے چند ٹرسٹیوں کے حوالے کر دی اور ان سے کہہ دیا کہ تم ان لوگوں کے لیے ایک دستور العمل تیار کرنا جس کے مطابق یہ اس جائداد پر تصرف کریں، اور جب تک وہ دستور العمل تیار نہ ہو، اس وقت تک تم ہی اس جائداد پر اسی طریقہ سے تصرف کرتے رہنا جس طرح میں اپنے غاصبانہ تسلط کے زمانے میں کرتا تھا۔ اب اگر ٹرسٹی غیر معمولی طور پر امانت دار ہوں، یا مستحق خاندان والے اپنا حق وصول کرنے کے لیے کافی طاقتور ہوں تو بات دوسری ہے، ورنہ اس وقت عام طور پر انسانی اخلاق جیسے کچھ پائے جاتے ہیں، انہیں دیکھتے ہوئے ایک کمزور خاندان کے معاملے میں اگر کسی بات کی توقع کی جا سکتی ہے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ٹرسٹی حضرات دستور العمل مرتب کرنے میں جتنا تساہل برت سکتے ہیں برتتے رہیں گے، تاکہ تصرف کی اُن آزادیوں سے متمتع ہوتے رہیں جو غاصب کو اپنے تسلط کے زمانے میں حاصل تھیں، اور پھر اس دوران میں تسمہ پا کی طرح اس خاندان کو اچھی طرح اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کرتے رہیں گے، تاکہ نیا دستور العمل جائداد کی سپردگی کے لیے نہیں بلکہ ٹرسٹ کی برقراری کے لیے بنایا اور بآسانی نافذ کیا جا سکے۔

یہی کچھ ہماری آنکھیں اس وقت ہوتے دیکھ رہی ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ ٹرسٹی کوئی باہر سے آئے ہوئے اجنبی لوگ نہیں ہیں، بلکہ خاندان ہی کے چند افراد ہیں!

اس جائداد میں غاصب کا دستورِ عمل کیا تھا؟ ۱۹۳۵ء کا ایکٹ اس کا شاہد ہے۔ اس ایکٹ کی رُو سے مالکانہ حقوق اور اختیارات خاندان کے لوگوں کو نہیں بلکہ خود غاصب کو حاصل تھے۔ اس میں اس امر کا کوئی ذکر تک نہ تھا کہ خاندان کے افراد کو بھی کچھ حقوق حاصل ہیں۔ اس میں خاندان والوں کو اگر کچھ اختیارات دیے بھی گئے تھے تو وہ اس حیثیت سے نہیں کہ یہ ان کے مالکانہ اختیارات ہیں، بلکہ صرف اس حیثیت سے کہ یہ مالک الملک کا عطیہ ہے جو دیا بھی جا سکتا ہے اور چھینا بھی جا سکتا ہے۔ اصل اختیارات کے حامل غاصب کے ایجنٹ (گورنر

اور گورنر) تھے نہ کہ خاندان کے اپنے چنے ہوئے نمائندے۔ جائداد کے کارکن ملازمین ان ایجنٹوں کے زیر حکم تھے نہ کہ نمائندگان خاندان کے۔ اور نمائندگان خاندان اس جائداد میں اگر کوئی تصرف کر سکتے تھے تو اسی وقت تک اور اسی حد تک کر سکتے تھے جب تک اور جہاں تک وہ غاصب کے ایجنٹوں کو پسند یا گوارا ہو، ورنہ وہ بیک بینی و دوگوش منصب اختیار سے بے دخل کیے جا سکتے تھے۔

پھر اس دستور العمل میں وہ سب آئینی گنجائشیں تو موجود تھیں جن سے فائدہ اٹھا کر اس مسلمان خاندان پر کافرانہ تہذیب، کافرانہ اخلاق اور کافرانہ طرز زندگی کے اصول اور طریقے مسلط کیے جا سکیں، مگر ایسی کوئی آئینی گنجائش موجود نہ تھی جس سے فائدہ اٹھا کر یہ خاندان خود اپنے اوپر اسلامی قوانین اور اسلامی طور طریقے نافذ کر سکتا یا کسی کافرانہ گندگی کو مسلط ہونے سے روک سکتا۔ بلکہ اس میں صریحاً ایسی دفعات موجود تھیں جو اسلامی احکام کے اجراء میں مانع تھیں۔

اگست ۱۹۴۷ء میں جب غاصب نے اپنا قبضہ اٹھایا تو ٹرسٹیوں کو بعینہٖ وہی مالکانہ حیثیت حاصل ہو گئی جو اس وقت تک غاصب کو حاصل تھی۔ خاندان کی طرف حقوق ملکیت کا انتقال نئے دستور العمل کی ترتیب تک ملتوی کر دیا گیا۔ بالفاظ دیگر ۱۹۴۷ء کی آزادی دراصل خاندان کو نہیں بلکہ ٹرسٹیوں کو حاصل ہوئی تھی۔ اس آزادی کی برکات خاندان تک پہنچنی ابھی باقی ہیں۔

ٹرسٹیوں نے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کو جوں کا توں اپنا دستور العمل بنا لیا۔ اس میں کوئی ایسی اصولی تبدیلی نہ کی جس سے آزادی و خود مختاری کی کم از کم کوئی ایک قسط ہی خاندان کی طرف منتقل ہو جاتی۔ بلکہ آج تک انہوں نے اس میں جتنی ترمیمات کی ہیں ان کا جائزہ لیجیے تو پتہ چل جائیگا کہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں خود غاصب نے اپنے استبداد میں جس قدر تخفیف کر دی تھی اس کو بھی انھوں نے اڑا دینے اور زیادہ مستبدانہ اختیارات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

پھر انہوں نے اس ایکٹ میں ایسی بھی کوئی ترمیم نہ کی جس سے یہ مسلم خاندان اسلامی قوانین کے اجراء اور کافرانہ گندگیوں کے انسداد کی کوئی آئینی گنجائش پا سکتا اور وہ آئینی رکاوٹیں دور ہو جاتیں جو اس کام میں مانع ہیں۔

ان دونوں باتوں کا ثبوت ہم ان شاء اللہ عنقریب ۱۹۳۵ء کے ایکٹ اور اس کی ان ترمیمات سے پیش کریں گے جو پچھلے پانچ سال میں دستور ساز اسمبلی نے کی ہیں۔

اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہمارے ان ٹرسٹیوں کو، جنہیں لموقت مالک الملک کی حیثیت حاصل ہے، یہ ۱۹۳۵ء کا ایکٹ کیوں پسند ہے، اور وہ نئے دستور العمل کو، جس کی رو سے لا محالہ انہیں حقوقِ ملکیت خاندان کی طرف منتقل کرنے پڑیں گے، کیوں تعویق میں ڈالے جا رہے ہیں۔

اس کے بعد ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس مسلسل تعویق سے جو وقت انہیں مل رہا ہے اسے وہ کس طرح استعمال کر رہے ہیں۔ ان کا نامۂ اعمال گواہ ہے کہ اس وقت کو انہوں نے استعمال کیا ہے:

فرنگی تہذیب کو اس کے تمام لوازم کے ساتھ فروغ دیتے ہیں تاکہ جلدی سے جلدی پورا خاندان ان ٹرسٹیوں کے رنگ میں رنگ جائے۔

ہر قسم کی گمراہیوں اور ہر طرح کے مذہبی فتنوں کی ہمت افزائی کرتے ہیں تاکہ اسلام کے بارے میں لوگوں کے خیالات پوری طرح پراگندہ ہو جائیں اور لوگوں کے ذہن میں یہی امر مشتبہ ہو جائے کہ وہ اسلام، جس کے لیے پاکستان قائم ہوا تھا، فی الواقع ہے کیا چیز۔

معلومات کے تمام ذرائع پر کنٹرول کرتے ہیں تاکہ بیچارے خاندان کو پتہ ہی نہ لگے کہ اس کے ٹرسٹی کر کیا رہے ہیں۔

جائداد کا انتظام کرنے والے ملازموں کو غاصب کے دور سے بھی زیادہ ضمیر فروش اور بددیانت بنا رہے ہیں تاکہ جس طرح کل وہ غاصب کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے اسی طرح اب ٹرسٹیوں کے آلۂ کار بن کر رہیں۔

خاندان کے دست و پا کو سیفٹی ایکٹ، سیکورٹی ایکٹ، پریس ایکٹ، اور فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز جیسے قوانین کے تسموں سے جکڑتے ہیں تاکہ کوئی ٹرسٹیوں کے خلاف دم نہ مار سکے۔

انتخابات کا ایک ایسا نرالا ڈھنگ ڈالتے ہیں جس سے خاندان کی رائے اگر ۱۰۰ فیصدی بھی ٹرسٹیوں کے خلاف ہو جائے تب بھی انتخاب کے نتائج کم از کم ۸۰ ـ ۹۰ فیصدی ٹرسٹیوں ہی کے حق میں نکلتے رہیں۔

یہ تمام تدابیر جس وقت قابلِ اطمینان حد تک کامیاب ہو جائیں گی، ٹھیک وہی وقت ہوگا جب اس خاندان کے لیے وہ دستورِ موعود تیار ہو جائے گا جس کے تیار ہونے میں، کہا جاتا ہے کہ آج بڑی مشکلات حائل ہیں۔ اور اس وقت انہی ٹرسٹیوں کی لمیٹڈ کمپنی اس جائداد کی اجارہ دار ہوگی۔ کیوں نہ ہو، آخر پاکستان قائم بھی تو انہی کی مساعی جمیلہ سے ہوا ہے۔

اِس کا علاج بجز اِس کے اور کچھ نہیں کہ جس طرح ۱۹۴۸ء۔۱۹۴۹ء میں نظام اسلامی کے لیے ایک پاکستان گیر مطالبہ پوری قوت کے ساتھ اٹھا تھا اور اسی کی بدولت یہ لوگ قرارداد مقاصد پاس کرنے پر مجبور ہوئے تھے، اسی طرح اب پھر تمام ملک سے دستورِ جدید کے لیے ایک متفقہ مطالبہ اٹھے۔ یہ مطالبہ کسی ایک گروہ کا نہیں بلکہ پورے ملک اور اس کے باشندوں کا ہونا چاہیے۔ یہ مطالبہ اس شان سے اٹھنا چاہیے کہ پاکستان کے در و دیوار سے یہی صدا اٹھے۔ اس مطالبے کے لیے ۱۹۵۲ء کے اختتام تک کی مہلت بالکل مناسب ہے کیونکہ یہ لوگ تین مہینے کم پانچ سال کی مہلت پہلے ہی پا چکے ہیں اور سال ختم ہونے میں ابھی ۹ مہینے سے زیادہ باقی ہیں۔ پھر مطالبہ صرف یہی نہ ہونا چاہیے کہ ملک کا نیا دستور بنایا جائے، بلکہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ اس میں حسبِ ذیل امور کی قطعی صراحت ہو:

۱۔ ملک کا قانون اسلامی شریعت ہوگی۔

۲۔ کوئی ایسی قانون سازی نہ کی جاسکے گی جو شریعت کے احکام یا اصولوں کے خلاف ہو۔

۳۔ تمام ایسے قوانین کو منسوخ کیا جائیگا (خواہ بتدریج ہی سہی) جو شریعت کے احکام اور اصولوں سے متصادم ہوتے ہوں۔

۴۔ حکومت کا یہ فرض ہوگا کہ اُن برائیوں کو مٹائے جنہیں اسلام مٹانا چاہتا ہے، اور اُن بھلائیوں کو فروغ دے جنہیں اسلام فروغ دینا چاہتا ہے۔

۵۔ لوگوں کے شہری حقوق (تحفظِ جان و مال و آبرو، آزادیِ تحریر و تقریر، آزادیِ اجتماع، اور آزادیِ نقل و حرکت) کو اُن کا جرم کھلی عدالت میں ثابت کیے بغیر، اور انہیں صفائی کا موقع دیے بغیر سلب نہ کیا جاسکے گا۔

۶۔ لوگوں کو حق ہوگا کہ انتظامیہ یا مقننہ اگر اپنے حدود سے تجاوز کرے تو وہ ملک کی عدالتوں سے چارہ جوئی کر سکیں۔

۷۔ عدلیہ انتظامی حکومت کی مداخلت سے آزاد ہوگی۔

۸۔ حکومت اس بات کی ضامن ہوگی کہ ملک میں کوئی شخص بنیادی ضروریاتِ زندگی (غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم) سے محروم نہ رہے۔

اِن امور کی صراحت کے بغیر اگر کوئی دستور بنا بھی دیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ اہلِ ملک کے کسی کام کا نہ ہوگا۔